جزیہ وخراج(فقہ اسلامی کے تناظر میں خصوصی مطالعہ)

(*Jizyah* and *Kharāj*: Study in Perspective of Islamic Jurisprudence)

ذوالفقار علی[☆]

Abstract

Jizyah is a personal poll tax imposed by an Islamic State on *ahl al-dhimmah* (non-Muslim subjects) in lieu of protection given to their lives and properties with a stigma of humiliation attached to it. The roots of this tax are as old as the Persian and Byzantine empires, while *Kharāj* is a land tax received from them. The present article provides details about the application of *jizyah* and *Kharāj*. It recites the conditions in which they are to be paid. The amount of *jizyah* in different circumstances and other relevant facts attached to *jizyah* and *Kharāj* are also minutely defined.

فقہ اسلامی کی اصطلاح میں جزیہ اس ٹیکس کو کہتے ہیں جو اسلامی ریاست غیر مسلم شہریوں کی جان ومال کی حفاظت کے بدلے میں ان سے وصول کرتی ہے۔[1] اور جو ٹیکس ان کے زیر قبضہ سرکاری زمینوں پر مقرر کیا جاتا ہے اسے خراج کہا جاتا ہے۔[2] دنیا میں اسلامی ریاست کا اپنے شہریوں سے ٹیکس وصول کرنا کوئی انوکھا کام نہیں ہے۔ عوام سے ٹیکس وصولی کی تاریخ بڑی قدیم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ٹیکس کی وصولی کا نظام اسی وقت معرض وجود میں آگیا تھا جب لوگوں نے پہلی بار کسی معاہدہ عمرانی کے تحت حکومت قائم کی تھی کیوں کہ ٹیکس کے بغیر کسی حکومت کا قائم رہنا اور مستحکم ہونا ناممکن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جزیرۃ العرب میں پہلی اسلامی ریاست قائم کی تو اس وقت عرب سے باہر ایران اور روم جو دو بڑی سلطنتیں تھیں ان میں قدیم زمانے سے ہی اس طرح کے ٹیکس نافذ تھے۔ عرب کے جن علاقوں پر ان کا حکم چلتا تھا اور عوام نے ان کی ماتحتی قبول کر رکھی تھی وہ اس قسم کے ٹیکسوں سے شناسا تھے۔ چنانچہ نجران کے عیسائیوں کا وفد جب مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم مسلمان تو نہیں ہوتے البتہ ہم آپ کی ماتحتی قبول کرتے ہیں اوراس کے عوض ہم پر جو جزیہ عائد کیا جائے گا اسے وہ بخوشی ادا کریں گے[3]۔ قرآنِ مجید میں جزیہ سے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّ ھُمْ صٰغِرُوْنَ“[4]

---

* لیکچرار علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی۔

" لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں دین سچا، ان لوگوں میں سے جو کہ اہلِ کتاب ہیں۔ یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے مطیع ہو کر"

امام شافعیؒ (م204ھ/819ء) (وَّهُمْ صٰغِرُوْن) کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سَمِعْتُ عَدَدًا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ: اَلصِّغَارُ أَنْ يَجْرِيَ عَلَيْهِمْ حُكْمُ الإِسْلَامِ"[5]

" میں نے متعدد اہل علم سے (وَّهُمْ صٰغِرُوْن) کا مطلب یہ سنا ہے کہ ان پر اسلامی حکومت کے قوانین جاری ہو جائیں۔" یعنی ان کا گھمنڈ اور غرور ٹوٹ جائے اور خوشی سے اپنے ہاتھوں ٹیکس دینے پر راضی ہو جائیں تو ان پر جنگ مسلط نہ رہے گی بلکہ ان کا تحفظ مسلمانوں کا فرض بن جائے گا۔

اسلام کا جزیہ و خراج سے متعلق حکم صرف ان غیر مسلموں کے لیے ہے جو اسلامی ریاست کی سرپرستی قبول کرتے ہوئے اس کے شہری بن جاتے ہیں۔ چنانچہ صدر اول سے ہی اسلامی ریاست کا اسی پر عمل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نجران کے نصاریٰ اور ھجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا گیا جب کہ خلفائے راشدینؓ کے عہد میں صابیوں، اور خلفائے بنو امیہ و بنو عباس کے عہد میں سندھ کے ہندوؤں اور پیروان بدھ سے جزیہ لینا ثابت ہے۔[6] الجصاص (م370ھ/980ء)[7] لکھتے ہیں:

"جائز للإمام أن يقر أحدا من اهل سائر الاديان على الكفر جزية"[8]

"کفریہ مذاہب کے ماننے والوں میں سے ہر ایک پر جزیہ عائد کرنا امام کے لیے جائز ہے۔"

لہٰذا اسلامی ریاست کا غیر مسلم اقلیتوں سے ان کے جان و مال کے تحفظ کے بدلے میں جزیہ لینا شرعی طور پر جائز اور درست اقدام ہے۔

جزیہ کے لیے شرائط

شریعت اسلامیہ کے عمومی احکام کی ادائیگی کے لیے مکلف میں اہلیت اور استطاعت کا پایا جانا ضروری ہے اور اگر کسی شخص میں متعلقہ اہلیت نہ ہو تو وہ حکم شرعی کا مخاطب نہیں ہوتا۔ فقہاء کرامؒ جزیے کے وجوب کے لیے اہل ذمہ میں حسب ذیل قسم کی شرائط کے پائے جانے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

ا۔ مرد ہونا

جزیہ واجب ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ غیر مسلم شہری مرد ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جزیہ صرف اس غیر مسلم شخص پر واجب فرمایا ہے جو اہل قتال میں سے ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔۔۔الخ" [9]

فقہاء کے نزدیک آیتِ مبارکہ میں لفظ مقاتلہ باب مفاعلہ میں سے ہے اور باب مفاعلہ کی ایک خاصیت مشارکت ہوتی ہے یعنی دو شخصوں کا اس طرح مل کر کام کرنا کہ ایک کا فعل دوسرے پر واقع ہو رہا ہو۔ لہٰذا یہاں دونوں فریقوں کی طرف سے لڑائی ضروری ہے۔ جنگوں میں چوں کہ مرد کام آتے ہیں اس لیے جزیہ بھی صرف مردوں پر ہی واجب ہو گا عورتوں پر نہیں۔ [10]

۲۔ بالغ ہونا

جزیے کے وجوب کے لیے دوسری شرط غیر مسلم شہری کا بالغ ہونا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے چوں کہ بچوں کو شرعی احکام کا مخاطب نہیں بنایا اور نہ ہی انہیں کسی حکم کا مکلف ٹھہرایا ہے اس لیے کسی ذمی کے بچے پر جزیہ عائد نہ ہو گا۔ قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں: **"انما تجب الجزیۃ علی الرجال منھم"** [11] " جزیہ اہل ذمہ کے مردوں پر واجب ہے"۔

۳۔ عقل وشعور کا ہونا

جزیے کے وجوب کی ایک اور شرط غیر مسلم شہری کا صاحب عقل و شعور ہونا بھی ہے۔ اس لیے کہ شریعت کے احکام پاگل اور مجنون شخص پر لاگو نہیں ہوتے۔ نیز ایسا شخص چوں کہ جنگ میں مقابلے پر بھی نہیں آتا اس لیے یہ جزیے کے حکم کا مخاطب نہ بنے گا۔ [12]

جزیہ سے مستثنیٰ افراد

فقہ اسلامی کے ریاستی قانون میں غیر مسلموں کی کثیر تعداد ایسی بھی ہے جسے جزیے کی ادائیگی سے استثنائی حیثیت حاصل ہے جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

ا۔ بچے، فاتر العقل اور عورتیں

فقہ اسلامی کے مطابق بچے، فاتر العقل اور عورتیں چوں کہ عام طور پر جنگوں میں شریک نہیں ہوتے اور نہ ہی کاروبار کر سکتے ہیں اس لیے یہ افراد جزیے اور ٹیکس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ ابن قدامہ (م620ھ / 1223ء) رقم طراز ہیں:

"ولاجزیة علی صبی ولا زائل العقل ولا امرأة" [13]

اور جزیہ نہ بچے پر ہے اور نہ فاتر العقل اور نہ ہی عورت پر۔"

فقہ اسلامی کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ فقہائے اربعہ کا مسلک ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔[14]

۲۔ فقراء و مساکین[15]

فقہاء جزیے کے حکم سے ان افراد بھی مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جن کی آمدن ان کے اخراجات کی نسبت کم ہو یا بالکل ہی نہ ہو۔[16]

قاضی ابو یوسف (م182ھ/798ء) لکھتے ہیں:

"ولا توخذ الجزیة من المسکین الذی یتصدق علیه" [17]

" جزیہ اس مسکین سے بھی نہ لیا جائے گا جس پر صدقہ کیا جا سکتا ہو۔

ابن قیم الجوزیہ (م751ھ/1350ء) لکھتے ہیں:

"ولاجزیة علی فقیر عاجز عن اداءها: هذا قول الجمهور" [18]

"ایسے فقیر پر جزیہ نہیں ہے جو اسے ادا کرنے سے قاصر ہو اور یہ جمہور کا قول ہے۔"

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کا معروف واقعہ ہے کہ انھوں نے مدینے میں ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو پوچھا کہ تم بھیک کیوں مانگ رہے ہو؟ جواب میں اس نے عرض کیا کہ میرے پاس جزیے کے لیے پیسے نہیں ہیں اس لیے مانگ رہا ہوں۔ آپؓ نے اسی وقت اس کا جزیہ معاف کر کے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا۔[19]

الغرض اسلامی ریاست میں ایسے فقرا و مساکین جزیے کے حکم سے مستثنیٰ ہوں گے جن کا کوئی ذریعہ آمدن نہ ہو۔ بلکہ ریاست ایسے افراد کے اخراجات پورا کرنے کے لیے ان کی مالی معاونت کرنے کی پابند ہے۔

۳۔ نابینا، دائمی مریض، اپاہج اور بوڑھا

فقہ اسلامی کے مطابق جزیے سے مستثنیٰ افراد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو مادر زاد اندھے ہوں یا کسی بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے ان کی نظر جاتی رہی ہو اور مستقل آمدن کا کوئی ذریعہ بھی نہ رکھتے ہوں۔ اسی طرح دائمی مریض، اپاہج اور بوڑھے شخص کا معاملہ ہے۔ چوں کہ ان افراد کا بھی معذورین میں شمار ہوتا ہے اس لیے ان پر بھی جزیہ واجب نہ ہوگا، البتہ اگر یہ خوش حال ہوں اور آسانی سے جزیہ دے سکتے ہوں تو پھر ان سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔[20]

۴۔ مذہبی پیشوا اور راہب

جزیے سے مستثنٰی افراد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو عام طور پر لوگوں سے میل ملاقات رکھنے کی بجائے ان سے دور عبادت گاہوں میں تنہا بیٹھے دن رات عبادت میں مصروف رہتے ہوں یا انہوں نے اپنے آپ کو مذہبی کاموں کے لیے وقف کر رکھا ہو۔ چوں کہ یہ لوگ کام کاج نہیں کرتے اس لیے فقہانے انہیں بھی جزیے ایسی تکلیف سے مستثنٰی قرار دیا ہے۔ان میں پادری ،راہب، پنڈت، پروہت ایسے لوگ شامل ہیں۔البتہ اگر یہ لوگ مالی لحاظ سے خوش حال ہوں اور لوگوں سے میل ملاقات بھی رکھتے ہوں تو پھر ان سے جزیہ لیا جائے گا۔[21]

جزیہ سے معافی کے اسباب

جزیے سے مذکورہ بالا استثنائی صورتوں کے علاوہ دیگر کئی ایسے اسباب اور موانع بھی ہیں جن کی وجہ سے غیر مسلم شہریوں سے جزیہ معاف ہو جاتا ہے۔جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

ا۔ قبول اسلام

فقہ اسلامی کے مطابق اگر کوئی غیر مسلم شہری اپنے ذوق و شوق اور مرضی سے اسلام قبول کرلے تو اس سے جزیہ معاف کر دیا جائے گا۔خواہ وہ کتنے ہی سالوں کا بقایا ہو۔ابن قیم رقمطراز ہیں:

> ”**ومن اسلم سقطت عنه الجزية سواء اسلم في اثناء الحول أو بعده ولو اجتمعت عليه جزية سنين ثم اسلم سقطت كلها**“ [22] ”جو غیر مسلم اسلام قبول کرلے تو اس کا جزیہ معاف ہو جائے گا خواہ وہ دوران سال اسلام قبول کرے یا سال مکمل ہونے کے بعد اور اگر اس پر کئی سالوں کا جزیہ جمع ہو چکا ہو تو تب بھی قبول اسلام کے ساتھ ہی کالعدم ہو جائے گا۔“

اس کا سبب یہ ہے کہ یہ ٹیکس اللہ تعالیٰ نے صرف غیر مسلموں پر عائد کیا ہے۔جب ایک شخص غیر مسلم نہ رہے تو اس پر عائد ہونے والا ٹیکس بھی نہ رہے گا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”**ليس على المسلمين جزية**“ [23] ” مسلمانوں پر جزیہ نہیں ہے۔“ لہٰذا قبول اسلام جزیہ کی ادائیگی کے موانع میں سے ہے۔

۲۔ وفات یا اسلامی ریاست سے فرار

اگر کسی غیر مسلم کی دوران سال یا اختتام پر وفات ہو جائے یا وہ اسلامی ریاست سے دشمن ریاست کی طرف بھاگ جائے تو اس صورت میں بھی جزیہ کالعدم ہو جائے گا۔[24] اس کا سبب یہ ہے کہ جزیہ چوں کہ غیر مسلم کی نفس ذات پر واجب ہے جب وہ

ذات نہ رہی تو اس پر عائد ہونے والا ٹیکس بھی باقی نہ رہے گا۔ لہذا اس کے ورثاء سے جزیے کی ادائیگی کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔ یہاں قرآن مجید کا یہ اصول بھی لاگو ہوتا ہے کہ "وَلَاتَزِرُوَازِرَۃٌوِّزْرَاُخْرٰی" [25] " اور بوجھ نہ اٹھائے گا ایک شخص دوسرے کا" نیز اس معاملے میں عمر بن عبد العزیزؒ (م 101ء/720ھ) کا ایک قول ہے:

> **"لیس علی من مات و لا من ابق جزیۃ یقول لا تو خذ من ورثتہ بعد موتہ، و لا یجعلھا بمنزلہ الدین، و لا تو خذ من اھلہ اذا ھرب عنھم منھا، لانھم لم یکونوا ضامنین لذلک"** [26] " ایسا غیر مسلم شہری جو فوت ہو جائے اور جو بھاگ جائے تو اس پر جزیہ نہ رہے گا۔ آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ غیر مسلم کی موت کے بعد اس کے ورثاء سے جزیہ نہ لیا جائے گا اور نہ اسے قرض کی مانند قرار دیا جائے گا (جس کی ادائیگی وراثت سے ادا کی جاتی ہے۔) اور نہ اس کے اہل وعیال سے لیا جائے گا جس وقت کہ وہ ان سے بھاگ جائے کیوں کہ وہ اس کے ضامن نہ تھے۔"

۳۔ تحفظ میں ناکامی

جزیے سے معافی اور موانع کا ایک اور سبب غیر مسلم شہریوں کی جان ومال اور عزت و آبرو کے تحفظ میں ناکامی بھی ہے۔ اگر کسی موقعے پر ان کی جان ومال اور عزت و آبرو کو نقصان پہنچ جائے تو ریاست ان سے جزیہ لینے کی حق دار نہ ہو گی۔ خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرۃ سے معاہدہ کرتے وقت انہیں لکھ کر دیا تھا: "**ان منعنا کم فلنا الجزیۃ، و الافلا حتی نمنعکم**"[27] اگر ہم تمہارا دفاع کر سکے تو جزیہ لینا ہمارا حق ہو گا اگر نہیں تو نہیں، تاوقتیکہ ہم تمہارے تحفظ اور دفاع کے قابل ہو جائیں۔" ابو عبیدہؓ کی گورنری کے زمانے میں شام کے بعض مفتوحہ علاقوں کو چھوڑنا پڑا تو آپ نے اپنے امراء کو (جو وہاں تعینات تھے) لکھا کہ جو کچھ تم نے اہل ذمہ سے جزیہ وخراج لیا ہے وہ انہیں واپس کر دو اور ان سے کہو: "**انما رددنا کم علیکم أموالکم لأنہ قد بلغنا ما جمع لنا من الجموع و أنکم قد اشترطتم علینا ان نمنعکم و إنّا لا نقدر علی ذلک، وقد رددنا علیکم ما أخذنا منکم**" [28] " ہم تمہارے اموال (جزیہ وخراج) واپس کر رہے ہیں کیوں کہ ہمیں خبریں موصول ہو رہی ہیں کہ (رومیوں نے) ہمارے خلاف افواج اکٹھی کر رکھی ہیں اور تم نے ہمارے ساتھ اس بنیاد پر صلح کی تھی کہ ہم تمہارا دفاع کریں گے، اس وقت ہم دفاع سے قاصر ہیں۔ اس لیے جو کچھ ہم نے تم سے لیا تھا واپس کر رہے ہیں[29] یہ وہی چیز ہے جسے بعد کے ادوار میں اسلامی ریاست کے بنیادی اصول وضوابط میں شمار کیا گیا اور فقہائے کرامؒ نے اس طرز عمل سے قاعدہ کلیہ اخذ کیا جسے حسب ذیل الفاظ میں روایت کیا جاتا ہے: "**الجبایۃ باز اء الحمایۃ**" [30] یعنی ٹیکس کی وصولی تحفظ کے مقابلے میں ہے۔

۴۔ ملکی دفاع

جزیے کی معافی کا ایک اور سبب غیر مسلم شہریوں کا ملکی دفاع میں شریک ہونا بھی ہے۔ اس کی نظیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ طے پانے والے معاہدے "میثاق مدینہ" سے دی جاسکتی ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ریاست مدینہ کے دفاع میں اپنے ساتھ شریک کیا۔ جس کی وجہ سے ان پر کسی قسم کا ٹیکس (جزیہ) نہیں لگایا۔ لہذا اگر اسلامی ریاست ان سے رابطہ کرے یا وہ خود اپنے آپ کو دفاعِ ریاست کے لیے پیش کریں تو ان پر عائد جزیہ کالعدم ہو جائے گا۔

جزیہ کی ادائیگی کا وقت

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غیر مسلم شہریوں پر جزیے کے وجوب کا وقت سال کا آغاز ہے کیوں کہ اس کے واجب ہونے کی وجہ سے مستقبل میں ان کے جان و مال کی حفاظت ہو سکے گی۔ لہذا سال کے آخر تک اسے مؤخر کرنا درست نہیں ہے۔ بلکہ ماہانہ قسط کے طور پر ان سے جزیہ کی وصولی کی جائے گی۔[31] جب کہ امام احمد بن حنبلؒ (م241ھ/855ء) اور امام شافعیؒ (م204ھ/819ء) کہتے ہیں کہ جزیہ سال گزرنے پر واجب ہو گا۔[32]

جزیہ کی مقدار کا تعین

فقہائے احناف کے نزدیک جزیے کی ایک مقدار تو وہ ہے جو غیر مسلم شہریوں سے صلح کے وقت طے کر لی جاتی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران سے ایک ہزار دو سو کپڑوں کے جوڑوں پر صلح کے وقت طے کی تھی جب کہ اس کی دوسری مقدار وہ ہے جسے امام غیر مسلم شہریوں پر ان کی رضامندی کے بغیر عائد کرے۔ مثلاً امام غلبہ حاصل کرنے کے بعد انہیں ذمی بنائے اور ان کی زمینوں پر برقرار رکھے۔ جزیے کی اس قسم میں غیر مسلم شہریوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی دولت مند، متوسط اور غریب وغیرہ۔ یہ ترتیب حضرت عمرؓ کے دور میں اختیار کی گئی تھی جس کے مطابق دولت مند پر اڑتالیس درھم، متوسط پر چوبیس درھم اور غریب پر بارہ درھم جزیہ عائد کیا گیا تھا۔[33] قاضی ابو یوسفؒ کے بقول کرنسی اور کپڑے کا کاروبار کرنے والے کاریگر، تاجر، ڈاکٹر اور ہر وہ شخص جو صنعت و تجارت سے وابستہ ہو ان میں سے خوش حال کے لیے اڑتالیس درھم اور متوسط کے لیے چوبیس درہم جب کہ مزدور اور ہاتھوں سے کام کرنے والے افراد مثلاً درزی، رنگ ساز، موچی اور ان کی مانند مختلف شعبوں سے وابستہ افراد کے لیے بارہ درہم ہیں۔[34] امام شافعیؒ (م204ھ/819ء) کے نزدیک غیر مسلم شہریوں کے ہر امیر اور غریب سے ایک دینار سالانہ جزیہ لینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت

ہے۔ جیسا کہ آپؐ نے اہل یمن سے ایک دینار یا اس کی قیمت کے برابر کپڑا لیا تھا۔ ایسے ہی آپؐ نے اہل ایلہ اور مکہ مکرمہ کے نصرانیوں سے ایک دینار فی کس کے حساب سے جزیہ لیا تھا۔[35] آپ کے نزدیک غیر مسلم شہریوں کو تین طبقات میں تقسیم کرکے ان سے جزیہ وصول کرنا حضرت عمرؓ کا فعل ہے۔ جسے ترک کرکے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہونا بہتر ہے۔[36] جمہور فقہا کے نزدیک حضرت عمرؓ کے اجتھاد پر عمل کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف عمل نہیں ہے بلکہ یہ بھی سنت ہی ہے[37] ان فقہا کے نزدیک اصل معاملہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جزیہ غیر مسلم شہریوں کو ایک ہی طبقہ شمار کرکے عائد کیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد جب صحابہ کرامؓ دور دراز علاقوں میں پہنچے تو انہیں غیر مسلم شہریوں کے مختلف طبقات کا علم ہوا جس کی وجہ سے ان کے تین طبقات بنائے گئے اور ہر طبقے سے اس کی مالی حیثیت اور استطاعت کے مطابق جزیہ لیا گیا اور یہی فیصلہ شریعت اسلامی کی منشا کے عین مطابق ہے۔

جزیہ میں اشیاء کی وصولی

غیر مسلم شہریوں سے جزیے کی مد میں ضروری نہیں ہے کہ روپیہ پیسہ ہی وصول کیا جائے بلکہ اس سلسلے میں ان کی سہولت کو دیکھا جائے گا، اگر وہ باہمی رضامندی سے متعین کردہ رقم کی بجائے اسی قیمت کی کوئی چیز دینا چاہیں تو اسلامی ریاست اسے قبول کرلے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں یہ طریق کار جاری تھا کہ اگر غیر مسلم شہری دینار (سونے کے سکے) یا درہم (چاندی کے سکے) کی بجائے کوئی اور چیز پیش کرتے تو وہ قبول کرلی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق روایت ہے کہ جب آپؐ نے معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا تو انہیں حکم دیا کہ **"ان یأخذ کل حالم دینارًا أو عدله معافیر"** [38]" وہ غیر مسلم شہریوں کے ہر بالغ شخص سے ایک دینار یا اس کی قیمت کے برابر معافیر (یمنی کپڑا) جزیہ کی مد میں وصول کریں۔" اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران سے صلح کے وقت یہ طے کیا تھا کہ جزیہ میں ان سے سونے چاندی کی بجائے کپڑا اور اسلحہ وصول کیا جائے گا۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے: **"صالح رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم اھل نجران الفیی حلة، النصف فی الصفر و البقیة فی الرجب، یؤدونھا الی المسلمین و عاریة ثلاثین فرساً و ثلاثین بعیراً و ثلاثین من کل صنف من اصناف السلاح یفزون بھا و المسلمون ضامنون لھا حتی یردوھا علیھم"** [39] "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران سے اس بات پر صلح کی کہ وہ مسلمانوں کو (ہر سال) دوہزار حلے[40] دیا کریں گے۔ نصف صفر میں اور بقیہ نصف رجب میں، نیز عاریۃ 30 عدد، زرہیں، 30 عدد، گھوڑے، 30 عدد اونٹ اور 30 عدد اسلحے کی ہر قسم سے 30 عدد جو

جنگ میں کام آسکتا ہو، دیں گے، مسلمان ان کی واپسی تک ضامن ہوں گے۔" حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت (13ھ/634ء تا23ھ/644ء) میں غیر مسلموں سے جزیے میں اونٹ لیے تھے۔[41] اسی طرح حضرت علیؓ نے اپنے زمانے (36ھ/656ء یا40ھ/661ء) میں ہر صنعت و حرفت والے سے اس کی بنائی ہوئی چیز وصول کی جیسے سوئی بنانے سے سوئی، مسان[42] بنانے والے سے مسان اور رسی والے سے رسی "[43] شریعت نے جزیے کی مقدار کی طرح اس کی جنس کو بھی متعین کرنے سے گریز کیا ہے تاکہ وقت کا امام حالات و زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان میں کمی بیشی کر سکیں۔

حرام اشیاء کی وصولی کی ممانعت

غیر مسلم شہریوں سے اشیا کی صورت میں جزیہ لیتے وقت ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان سے شراب اور خنزیر ایسی چیزیں بھی وصول کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ احمد بن حنبلؒ (م241ھ/855ء) کی رائے ہے کہ انہیں قبول کیا جاسکتا ہے۔[44] جب کہ دیگر ائمہ کے نزدیک ان چیزوں میں جزیہ قبول کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ یہ چیزیں مسلمانوں کے لیے حرام قرار دی گئی ہیں۔ نیز یہ مسلمانوں کے حق میں مال بھی نہیں ہیں جنہیں وہ فروخت کر سکیں لہٰذا ان چیزوں کا جزیے میں وصول نہ کرنا ہی بہتر ہے۔[45] روایت ہے کہ حضرت عمر کے دور خلافت میں بعض عمال حکومت نے غیر مسلم شہریوں سے ایسی ہی بعض چیزیں وصول کیں تو آپؓ نے انہیں روک دیا اور حکم جاری کیا کہ یہ چیزیں انہیں واپس کر دو اور ان کی قیمت وصول کر لو۔"[46] اس لیے ان سے جزیہ میں وہی چیز قبول کی جائے گی جو مسلمانوں کے حق میں مال کا درجہ رکھتی ہو، اگر ایسی چیز نہ ہو تو اسے قبول نہ کیا جائے گا۔

جزیے کی وصولی میں نرمی

فقہا کے نزدیک جزیے کی وصولی میں غیر مسلموں پر تشدد کرنا درست نہیں ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں ان سے نرمی کا برتاؤ کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور ان پر ایسا بار ڈالنے سے بھی منع کیا گیا ہے جسے وہ اٹھا نہ سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> "اَلاَ من ظلم معاهداً أو كلفه فوق طاقته, أو انتقصه أو اخذ منه شيئاً بغير طيب نفسه فأنا حجيجه يوم القيامة" [47] " خبردار جو کسی غیر مسلم پر ظلم کیا یا اس کا نقصان کیا یا اس کی طاقت سے بڑھ کر اسے تکلیف پہنچائی یا اس کی دلی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو قیامت کے دن میں ایسے شخص سے جھگڑا کروں گا۔"

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ شام کے سفر سے واپس آرہے تھے کہ راستے میں آپ نے دیکھا کہ ایک عامل نے بعض ذمیوں کے سروں پر تیل لگا کر انہیں تیز دھوپ میں کھڑا کر رکھا ہے۔ آپؓ نے اس سے پوچھا کہ انہیں یہ سزا کیوں دی جارہی ہے؟ بتایا گیا کہ یہ جزیہ نہیں دیتے۔ آپؓ نے وجہ پوچھی تو انہوں نے جواباً عرض کیا کہ ہمارے پاس جزیے کے لیے پیسے نہیں تھے پھر آپؓ نے عامل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "**فدعوھم ولا تکلفوھم مالا یطیقون**" "انہیں چھوڑ دو اور آئندہ انہیں ایسی تکلیف مت دینا جس کی یہ طاقت نہ رکھتے ہوں۔" ساتھ ہی آپ نے عامل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنایا کہ "**لاتعذبوا الناس، فان الذین یعذبون الناس فی الدنیا یعذبھم اللہ یوم القیامۃ**"[48] " لوگوں کو بلاوجہ سزا مت دو، کیوں کہ وہ لوگ جو دنیا میں لوگوں کو بلاوجہ سزائیں دیتے پھرتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی انہیں ایسے ہی سزائیں دیں گے۔" قاضی ابویوسف لکھتے ہیں: "**ولایضرب أحدمن اھل الجزیۃ فی استیداءھم الجزیۃ، ولایقاموا فی الشمس ولاغیرھا، ولایحمل علیھم فی ابدانھم شیٔ من المکارہ ولٰکن یرفق بھم**"[49] " جزیہ کی وصولی کے وقت کسی غیر مسلم شہری کو مارا نہ جائے نہ انہیں دھوپ میں کھڑا کیا جائے، نہ ان کے اوپر کوئی ایسا بوجھ ڈالا جائے جسے برداشت نہ کرسکیں، بلکہ ان کے ساتھ نرمی اختیار کی جائے۔

الغرض فقہ اسلامی کے ملکی قانون میں غیر مسلم شہریوں کو بہت زیادہ چھوٹ دی گئی ہے۔ جزیے کی مد میں ان پر کوئی دوسرا ٹیکس نہیں ہے ان کے پاس اونٹ، گائے اور بکریاں جتنی بھی تعداد میں ہوجائیں ان پر کسی قسم کا ٹیکس نہیں ہے۔[50]

خراج: زمینوں پر ٹیکس

اسلامی ریاست میں جزے کے علاوہ غیر مسلم اقلیت پر جو دوسرا ٹیکس نافذ ہوتا ہے اسے خراج کہتے ہیں۔ یہ ٹیکس ان کے زیر قبضہ ریاستی زمینوں پر عائد کیا جاتا ہے۔

خراج کی اقسام

فقہاء کے نزدیک خراج کی دو اقسام ہیں۔[51]

(i) **خراج مقاسمہ:** اس سے مراد وہ ٹیکس ہے جو زمین کی پیداوار کی نسبت سے مقرر کیا جاتا ہے یعنی ربع، خمس یا نصف وغیرہ۔

(ii) **خراج مؤظف:** اس سے مراد وہ ٹیکس ہے جو زمین کے رقبے کی نسبت سے مقرر کیا جاتا ہے جیسے حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں سواد عراق کی زمینوں پر مقرر کیا تھا۔

عشری اور خراجی زمینوں کی اقسام

فقہ اسلامی میں فقہا اسلامی ریاست کی زمینوں کو چار اقسام میں تقسیم کرتے ہیں[52]:

1. وہ زمین جس کے باشندے اسلام قبول کرلیں خواہ وہ زمین عرب کی حدود میں ہو یا عجم کی، وہ ان ہی لوگوں کی ملکیت قرار دی جائے گی اور وہ زمین مدینہ اور یمن کی زمینوں کی طرح عشری ہو گی۔
2. وہ زمین جس کے باشندوں سے جزیہ قبول نہ کیا جائے۔ عرب کے مشرکین کی طرح ان سے اسلام کے علاوہ اور بھی کوئی چیز قبول نہ کی جائے تو غلبہ کے بعد وہ زمین بھی عشری ہو گی۔
3. عجم کا ہر وہ علاقہ جس پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو اور زمین سابقہ باشندوں کے قبضے میں ہی رہنے دی جائے تو وہ زمین خراجی ہو گی اور اگر وہ غانمین کے درمیان تقسیم کر دی جائے تو وہ عشری بن جائے گی۔
4. عجم کی ہر وہ زمین جس کے باشندے مصالحت کرلیں اور ذمی بن جائیں تو وہ زمین خراجی ہو گی۔[53]

خراج کی مقدار کا تعین

فقہا کے نزدیک خراج کی مقدار کا تعین زمین کی صلاحیت پر منحصر ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ نے عراق کے بعض حصوں پر فی جریب ایک قفیز اور ایک درہم خراج مقرر کیا تھا۔ آپؓ نے اس معاملے میں کسریٰ بن قباد کی رائے کو اختیار کیا تھا جس نے سب سے پہلے اس علاقے کی زمینوں کی پیائش اور حد بندی کروانے کے بعد ان پر خراج عائد کیا اور سرکاری رجسٹر وغیرہ ایجاد کیے اور زمین سے متعلق ایسے امور کا لحاظ کیا جن سے زمین دار اور کاشت کار دونوں کو نقصان نہ پہنچے۔ اس نے یہاں فی جریب ایک قفیز اور ایک درہم مقرر کیا تھا۔ قفیز کا وزن اس وقت آٹھ رطل تھا جس کی قیمت بوزن مثقال تین درہم بنتی تھی جو کہ دور جاہلیت سے عربوں میں مشہور و معروف تھی۔[54] بعض دوسرے علاقوں میں مقدار مذکورہ کے علاوہ ایک اور نسبت سے بھی خراج کا تعین کیا گیا چنانچہ حضرت عمرؓ نے عثمان بن حنیفؓ کو سواد کے علاقوں کا عامل بنا کر بھیجا تو انہوں نے زمین کی پیائش کے بعد زمین کے رقبے اور حیثیت کے پیشِ نظر حسبِ ذیل شرح سے خراج مقرر کیا تھا۔

انگور فی جریب: دس درہم
کھجور فی جریب: آٹھ درہم
گنا فی جریب: چھ درہم
سبزیاں فی جریب: پانچ درہم

گندم فی جریب: چار درہم

جَو فی جریب: دو درہم[55]

خراج کی شرحِ مذکور اگرچہ عہد صحابہؓ میں متعین کی گئی تھی اور اس پر کسی صحابیؓ نے اختلاف نہیں کیا اور اجماع صحابہؓ ہو گیا لیکن یہ بات بڑی واضح ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس شرح کا تعین پیداوار پر اٹھنے والے اخراجات اور محنت کی بنیاد پر طے کیا تھا۔ اس لیے دور حاضر میں خراج کے تعین کے لیے اسی چیز کو بنیاد بنایا جائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے نہ کہ شرح مذکور کو۔

خراج کی مقدار میں کمی کا جواز

فقہا کے نزدیک خراج کا تعین چوں کہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اس لیے ان کی مقدار میں کمی یا اضافہ کرنا جائز ہے جیسے خراج موَظف میں زمین کی صلاحیت کو دیکھ کر خراج متعین کیا جاتا ہے جو کہ دنیا میں یکساں صلاحیت اور اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ سے متعلق روایت ہے کہ آپ نے عراق کی زمینوں پر جو خراج مقرر کیا تھا اسی شرح سے شام کی زمینوں پر مقرر نہیں کیا۔ کیوں کہ شام کی زمینوں میں سواد عراق ایسی صلاحیت نہ تھی۔ اس لیے امام کو خراج کے تعین کے وقت ان چیزوں کا دھیان رکھنا چاہیے۔

عام طور پر تین وجوہات کی بنا پر زمین کے خراج میں کمی بیشی کی جاتی ہے:

i۔ زمین عمدہ ہو اور پیداوار خوب دیتی ہو یا زمین بے کار ہو اور پیداوار نہ دیتی ہو۔
ii۔ زمین میں مختلف اجناس کی کاشت ہو کسی کی قیمت اچھی اٹھے اور کسی کی کم۔
iii۔ ذرائع آب پاشی میں فرق ہو یعنی بارش سے سیر اب ہوتی ہو یا رہٹ سے۔

بعض علمانے ایک چوتھی صورت کا بھی ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین شہر سے دور ہو یا قریب تو اس کا لحاظ بھی کیا جائے گا۔[56]

قاضی ابویوسفؒ (م182ھ/798ء) کے نزدیک خراج میں اضافہ جائز نہیں ہے کیوں کہ حضرت عمرؓ نے ایسا نہیں کیا۔ حالاں کہ آپ کو بتادیا گیا تھا کہ زمین میں مقرر کردہ خراج سے زیادہ پیداوار کی طاقت موجود ہے۔[57] الشیبانی (م189ھ/805ء) کے نزدیک اناج کی پیداوار زیادہ ہونے کی صورت میں اضافہ ایسے ہی جائز ہے جیسے نقصان کی صورت میں کمی جائز ہے۔[58] الماوردی (م450ھ/1058ء) کے نزدیک زمین کی انتہائی حیثیت اور وسعت پر خراج نہ لگایا جائے بلکہ جتنا ممکن ہو خراج کے

تعین میں ترقی اختیار کرنی چاہیے تاکہ کاشت کاروں کو مختلف حالات وحادثات کے وقت مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے اور ان کے اخراجات بہ سہولت پورے ہوتے رہیں۔

خراج میں چھوٹ کا جواز

خراج اگرچہ غیر مسلم شہریوں پر ایک زرعی ٹیکس ہے جس کا ادا کرنا ان پر ضروری ہے لیکن یہ ادائیگی اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جب زمین پیداوار دے۔ اگر زمین سے پیداوار نہ ہو تو خراج بھی نہ ہو گا۔ ٹیکس ایسی ادائیگیوں سے متعلق السرخسی (م490ھ/1097ء) کی رائے ہے کہ: "ان الوجوب الاداء باعتبار القدرة الميسرة"[59] " واجب الادا ٹیکس کا اعتبار قدرت میسرہ پر ہے۔" یعنی اگر خراجی زمین پر پانی چڑھ آئے یا پانی کا سلسلہ منقطع ہو جائے یا کسی آفت کی وجہ سے پیداوار ضائع ہو جائے تو ان صورتوں میں خراج وصول نہ کیا جائے گا کیوں کہ زراعت سے نفع حاصل کرنا ممکن نہ رہا اور خراج کی ادائیگی میں دقت آگئی اور قدرت میسرہ جاتی رہی۔[60] البتہ اگر فصل کو جزوی نقصان پہنچے تو ٹیکس میں بھی اسی قدر کمی کی جائے گی کیوں کہ " الخراج بقدر الطاقة" [61] خراج بقدر طاقت ہوتا ہے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ زرعی ٹیکس میں چھوٹ صرف ایسی صورت میں ممکن ہے کہ جب فصل کے نقصان میں ٹیکس ادا کرنے والے شخص کا ذاتی عمل دخل کار فرما ہو اگر اس کے ذاتی عمل کی وجہ سے فصل کو نقصان پہنچے یا پیداوار کم ہو تو پھر ایسی چھوٹ ہرگز نہ دی جائے گی اور اگر کوئی شخص آسانی کے ساتھ خراج دے سکتا ہو مگر ٹال مٹول سے کام لے اور بروقت ادائیگی نہ کرے تو اسے قید کیا جائے گا اور درے بھی لگائے جاسکتے ہیں۔[62]

شرعی پیمانے اور اوزان

صدر اسلام اور صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تجارتی معاملات کے علاوہ خراج کی وصولی کے لیے جو پیمانے اور اوزان مستعمل رہے ان کا مختصراً تذکرہ حسب ذیل ہے:

i. شرعی پیمانے

(الف) جریب: یہ پیمانہ فصل اور زمین کی پیمائش کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ رقبے کے اعتبار سے 10 قصبات کے برابر جگہ کو جریب کہتے ہیں۔ دور حاضر میں یہ پیمائش 1366.0416 مربع میٹر کے برابر بنتی ہے۔

(ب) قصبہ: یہ جریب سے چھوٹا پیمانہ ہے جو 6 ذراع (ہاتھ) کے برابر ہوتا تھا۔ موجودہ دور کے حساب سے 13.660416 مربع میٹر جگہ کو ایک قصبہ کہتے ہیں۔

(ج) ذراع عامہ: قصبہ سے چھوٹا پیمانہ جو تقریباً 6 قبضہ (مٹھی) کے برابر ہوتا ہے۔ موجودہ حساب سے 42.2 سینٹی میٹر لمبا ہے۔[63]

قدیم دور میں ذراع میں اکثر اختلاف رہا جس میں دور کے ساتھ ساتھ کمی بیشی ہوتی رہی اس دور میں حسب ذیل سات قسم کے ذراع کے نام ملتے ہیں جو لوگوں کے درمیان مستعمل رہے۔[64]

i۔ عمریہ

یہ ذراع حضرت عمرؓ (م23ھ/644ء) کی ایجاد ہے۔ سود عراق کی زمینوں کی پیمائش اس سے کی گئی تھی۔ موسیٰ بن طلحہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کا ذراع دیکھا ہے وہ ایک ہاتھ، ایک مٹھی اور ایک کھڑے انگوٹھے کی مقدار کے برابر تھا۔ حکم بن عیینہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں تین مروجہ ذراع (سب سے بڑا، سب سے چھوٹا اور متواسطہ) کو منگوایا اور تینوں کو ایک ساتھ ملایا اور ان کے مجموعے کا ثلث (ساڑھے تین حصہ) لے کر اس پر ایک مٹھی اور ایک انگوٹھا زیادہ کیا اور اس کے دونوں اطراف پر مہریں لگائیں اور عثمان بن حنیفؓ کے پاس عراق بھیج دیا۔ انھوں نے سواد کی زمینوں کی پیمائش اسی سے کی۔[65]

ii. قاضیہ

اس ذراع کو قاضی ابن ابی لیلیٰ (م148ھ) نے ایجاد کیا تھا۔ باشند گان کلواذی اپنے معاملات اس سے طے کرتے تھے۔

iii. ہاشمیہ صغریٰ/بلالیہ

اس ذراع کو بلالیہ بھی کہتے ہیں کیوں کہ بلال بن ابی بردہ نے اسے ایجاد کیا تھا۔ ایک قول کے مطابق یہ ذراع ان کے دادا ابو موسیٰ اشعریؓ کی ایجاد ہے۔ یہ ذراع سوداء سے ساڑھے تین انگشت اور زیادیہ سے 3/40 حصہ کم ہے۔ کوفہ اور بصرہ میں یہ مستعمل رہا ہے۔

iv۔ ہاشمیہ کبریٰ/زیادیہ

اسے شاہی ذراع بھی کہتے ہیں۔ سب سے پہلے منصورؒ (م158ھ/775ء) نے اسے ہاشمیہ سے نسبت دی تھی۔ یہ ذراع سودا سے 5.2/3 انگشت بڑا ہے اور ہاشمیہ صغریٰ سے 3/40 حصہ کم ہے۔ اسے زیادیہ اس لیے کہتے ہیں کہ زیاد نے ارض سواد کی پیمائش اس سے کی تھی۔ اہل ہواز کے ہاں یہ مستعمل رہا ہے۔

v ۔ یوسفیہ

اس ذراع کو قاضی ابویوسفؒ (م182ھ/798ء) نے ایجاد کیا تھا۔ بغداد کے قاضی مکانات کی پیمائش وغیرہ اسی سے کرتے تھے۔

vi۔ سودا

اس ذراع کو ہارون الرشید (م193ھ/809ء) نے اپنے سیاہ فام خادم کے ہاتھ سے ناپ کر ایجاد کیا تھا۔ یہ ذراع لوگوں کے درمیان تجارتی معاملات، کپڑوں اور مکانات کی پیائش میں مستعمل تھا۔ دریائے نیل کی پیائش بھی اسی سے کی گئی تھی۔

vii۔ میزانیہ

اس ذراع کو مامون الرشید (218ھ/833ء) نے ایجاد کیا تھا۔ یہ ذراع سوداء سے 2/3 ذراع اور 2/3 انگشت بڑا تھا۔ لوگ اس سے مسافت برید[66] مکانات، بازار، نہروں اور گڑھوں کی پیائش کرتے تھے۔[67]

ii شرعی اوزان کے سکے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے (01ھ/622ء تا13ھ/634ء) میں مالی معاملات میں وہی سکے چلتے رہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھے۔ حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانے میں جو سکے پائے جاتے تھے وہ حسب ذیل اوزان کے تھے۔

الف۔ بغلی درہم: 8دانق=3.968 236 گرام

ب۔ طبری درہم: 4دانق= 236 1.984 گرام

ج۔ مغربی درہم: 3دانق=2361.488 گرام

د۔ یمنی درہم: 1دانق=2360.496 گرام

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے (13ھ/634ء تا23ھ/644ء) میں بغلی اور طبری دارہم کو جمع کرنے کے بعد اس کے نصف 6دانق کو ضرب کرایا تھا۔ اس طرح اسلامی درہم 6دانق کا قرار پایا۔ ایک اور روایت کے مطابق عہد فارس میں تین قسم کے درہم مضروب ہوتے تھے۔ یعنی ایک مثقال کے وزن پر20 قیراط کا، دوسرا12 قیراط کا اور تیسرا10 قیرط کا۔ عہد بنوامیہ (41ھ/661ء تا132ھ/750ء) میں ان تینوں کے مجموعے یعنی 42 قیراط سے تیسرا حصہ 14 قیراط[68] لے کر درہم ضرب کرائے گئے تھے جن پر پوری امت مسلمہ کا اجماع نقل کیا جاتا ہے۔[69] اس دور میں حسبِ ذیل اوزان کے سکے پائے جاتے تھے۔[70]

الف۔ 1درہم:6دانق236 2.976 گرام

ب۔ 1دانق:8حبات236 .496 گرام

ج۔ 1مثقال:72حبات236 4.464 گرام

د۔ 10درہم:7مثقال236 29.76 گرام

ھ۔10 مثقال: 14.3/10 درہم 236 42.5142 گرام

و۔1 دینار: 72 حبات 236 4.25 گرام

ز۔1 حبہ: 6 خردلات 236 0.062 گرام [71]

اسلامی سکوں کے ضرب کرانے سے متعلق روایت ہے کہ یہ عبدالملک بن مروان (م85ھ/704ء) کے حکم سے حجاج بن یوسف (م95ھ/714ء) نے 714ھ/694ء یا 75ھ/695ء عراق میں ضرب کرائے تھے۔ اس کے بعد 76ھ/696ء میں دوبارہ ضرب کرائے گئے۔ حجاج کے بعد یزید بن عبدالملک (م105ھ/724ء) کے عہد میں عمر بن ہبیرہ یہاں کا والی ہوا تو اس نے پہلے سے زیادہ کھرے سکے ضرب کرائے۔ اس کے بعد خالد بن عبداللہ قسری اور یوسف بن عمرو نے مزید خالص سکے ضرب کرائے۔ اسی وجہ سے ہبیرہ، خالدیہ، یوسفیہ، عہد بنوامیہ کے خالص ترین سکے شمار ہوتے تھے۔ عباسیوں کے ابتدائی دور میں منصور (م158ھ/755ء) ان ہی سکوں میں غیر مسلم شہریوں سے خراج وصول کرتا تھا۔ [72]

iii۔ شرعی ماپ تول

عہد اسلامی کے ابتدائی دور میں خراج وعشر اور دیگر اشیا کے ماپ تول کے لیے جو پیمانے مستعمل رہے۔ احناف کے نزدیک ان کے شرعی اوزان حسب ذیل تھے۔ [73]

	نام پیمانہ	صاع	ٹھوس اشیاء گرام	مائع اشیاء لیٹر
الف۔	مد	¼	815.39	1.032
ب۔	صاع	۔	3261.5	3.362
ج۔	قفیز	12	39138	40.344
د۔	اردب	24	78276	80.288
ھ۔	جریب	48	156552	161.376
و۔	وسق	60	192690	201.72

خراج مقاسمہ میں ضروری نہیں ہے کہ اوزان مذکورہ ہی کے تحت غیر مسلم شہریوں سے معاملات طے کیے جائیں بلکہ جس علاقے میں جو اوزان معروف ہوں اور ان ہی کے تحت معاملات طے پاجائیں تو وہ اوزان شرعی قرار پائیں گے۔ جیسا کہ عثمان بن حنیفؓ سے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے اہل سواد کے لیے جس قفیز (پیمانے) کو تجویز کیا تھا اسے شابرقان کہتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے پاس جب اس قفیز کو منظوری (Approval) کے لیے بھیجا گیا تو آپؓ نے اس کی منظوری دے دی۔ [74]

حواشی ومراجع

[1]۔ الراغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص93؛ المناوی، محمد بن عبدالرؤف(م1031ھ/1122ء) دارالفکر، بیروت(1410ھ/1990ء)ص243.

[2]۔ قلعہ جی، معجم لغۃ الفقہاء، ص194۔

[3]ابویوسف، م۔ن، ص157 ومابعد؛ ابن قیم، م۔ن، ص39/1۔

[4]التوبۃ29:9۔

[5]۔ الشافعی ''کتاب الأم''ص176/4؛ مصنف مذکور'' احکام القرآن''ص236/1۔

[6]۔ ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی اردو بازار، لاہور، ص122/2۔

[7]۔ الجصاص، احمد بن علی الرازی، ابوبکر، فقہ حنفی کے بہت بڑے عالم و فاضل فقیہ، مفسر بغداد میں رہے اور ادھر ہی انتقال ہوا (الزرکلی، الاعلام، ص171/1)۔

[8]۔ الجصاص، احکام القرآن، داراحیاء التراث العربی بیروت، 1405ھ، ص189/3۔

[9]۔ التوبۃ29:9۔

[10]۔ ابویوسف، م۔ن، ص253؛ الکاسانی، م۔ن، ص111/7۔

[11]۔ ابویوسف، م۔ن، ص253۔

[12]۔ اس سلسلے میں قاضی ابویوسف کے الفاظ: وکذلک المغلوب علی عقلہ لاتوخذ منہ، ص254۔

[13]۔ ابن قدامۃ، المغنی، ص270/9؛ نیز دیکھیے: ابن قیم، م۔ن، ص48/1۔

[14]۔ ابن قدامۃ، م۔ن، ص270/9۔

[15]۔ فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آمدنی اس کی ضروریات کے لیے ناکافی ہو (الفقیر ھو الذی لہ بعض مایکفیہ) اسی طرح مسکین اسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو (المسکین الذی لاشی لہ، (دیکھیے: القرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ص169/8)۔

[16]۔ ابویوسف، م۔ن، ص253۔

[17]۔ ابن قیم، م۔ن، ص52/1۔

[18]۔ الترمذی، محمد بن عیسی، ابوعیسیٰ (م279ھ/892ء) الجامع الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت (س۔ن) کتاب الزکواۃ، باب ماجاء لیس علی المسلمین جزیۃ (ح/633) ص27/3۔

[19]۔ القرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ص169۔

[20]۔ ابویوسف، م۔ن، ص253؛ ابن قدامۃ، م۔ن، ص272/9؛ ابن قیم، م۔ن، ص53/1 ومابعد۔

[21]۔ ابویوسف، م۔ن، ص254؛ ابن قیم، م۔ن، ص54-55/1۔

[22]۔ ابن قیم، احکام اھل الذمۃ، ص60/1۔

[23]۔الترمذی، محمد بن عیسی، ابوعیسیٰ (م279ھ/892ء) الجامع الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت (س۔ن) کتاب الزکواۃ، باب ماجاء لیس علی المسلمین جزیۃ(ح/633) ص3/27۔

[24]۔ابن قیم، م۔ن، ص1/62

[25]۔الانعام164:6۔

[26]۔ابن قیم، م۔ن، ص62/۔

[27]۔الطبری محمد بن جریر، ابوجعفر (م310ھ/923ء)، تاریخ الأمم وملوک، مطبعۃ الحسینیۃ المصریۃ، القاہرہ (1336ء)، ص2/270۔

[28]۔ابویوسف، کتاب الخراج، ص282-283۔

[29]۔بلاذری نے فتوح البلدان میں واضح طور پر لکھا ہے کہ ابوعبیدہؓ نے یہ جزیہ اھل حمص کو اس وقت واپس کیا تھا جب ہرقل کی فوجیں جنگ یرموک کی تیاری کررہی تھیں۔(دیکھیے کتاب مذکور، ص206)۔

[30]۔السرخسی، شرح السیر الکبیر، ص5/292۔

[31]۔الکاسانی، بدائع الصنائع، ص7/111۔

[32]۔ابن قیم، م۔ن، ص46/۔

[33]۔الکاسانی، م۔ن، ص7/111۔

[34]۔ابویوسف، کتاب الخراج، ص455-456۔

[35]۔الشافعی، الام، ص4/199۔

[36]۔ابن قیم، احکام اھل الذمۃ، ص1/41۔

[37]۔ابن قیم، م۔ن، ص41/۔1

[38]۔الترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الزکواۃ، باب ماجاء فی زکاۃ البقر (ح/623) ص3/20۔

[39]۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی (م275ھ/889ء) سنن ابی داؤد، دارالفکر، بیروت (س۔ن) کتاب الجہاد، باب فی اخذ الجزیۃ، (ح/3041) ص3/167۔

[40]۔حلہ دو یمنی چادروں پر مشتمل لباس (جوڑے) کو کہتے ہیں۔

[41]۔ابن قیم، م۔ن، ص1/40۔

[42]۔وہ آلہ جس سے اسلحہ (تلوار اور چاقو) وغیرہ تیز کیا جاتا ہے۔

[43]۔ابن قیم، م۔ن، ص1/40۔

[44]۔ابن قیم، م۔ن، ص1/63۔

[45]۔ابن قیم، م۔ن، ص1/63۔

[46]۔ابویوسف، کتاب الخراج، ص253؛ ابن قیم، م۔ن، ص1/63۔

[47]۔ ابوداؤد، م۔ن، کتاب الجہاد، باب فی تعشیر اھل الذمۃ اذا اختلفوا بالتجارات(ح/3051)ص170/3نیز دیکھیے: ابویوسف، کتاب الخراج، ص258۔

[48]۔ حدیث کا متن ابویوسف کی کتاب الخراج ص255 سے لیا گیا ہے۔ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ یہ حدیث اور بھی کئی کتب میں پائی جاتی ہے مثلاً: دیکھیے مسلم، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب الوعید الشدید لمن عذب الناس بغیر حق(ح/2613)ص2018/4؛ ابوداؤد، السنن، کتاب الجہاد، باب فی التشدید فی جبایۃ الجزیۃ(ح/3045) ص169/3؛ محمد بن حبان(م354ھ/965ء) صحیح ابن حبان، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت(1414ھ/1993ء)ذکر تعذیب اللہ جل وعلا فی القیامۃ من عذاب الناس فی الدنیا(ح/5612)ص426/12۔

[49]ابویوسف، م۔ن، ص255۔

[50]۔ابویوسف، م۔ن، ص254۔

[51]۔الجرجانی، کتاب التعریفات، ص71؛ قلعہ جی، معجم لغۃ الفقہاء، ص194۔

[52]۔الماوردی، الاحکام السلطانیۃ، ص187۔

[53]۔ابویوسف، کتاب الخراج، ص149؛ الماوردی، م۔ن، ص187۔

[54]۔الماوردی، م۔ن، ص188۔

[55]۔ابویوسف، م۔ن، ص87؛ الماوردی، م۔ن، ص189۔

[56]۔تفصیل کے لیے دیکھیے: الماوردی، م۔ن، ص189۔

[57]۔المرغینانی، الھدایۃ، ص158/2۔

[58]۔المرغینانی، م۔ن، ص158/2۔

[59]۔السرخسی، اصول السرخسی، ص69/1۔

[60]۔السرخسی، المبسوط، ص83/10؛ المرغینانی، الھدایۃ، ص158/2؛ ابن الھمام، شرح فتح القدیر، ص38/6؛ ابن نجیم، البحر الرائق117/5؛ ابن قیم، م۔ن، ص107/1۔

[61]۔السرخسی، م۔ن، ص82/10۔

[62]۔ابن قیم، م۔ن، ص106/1۔

[63]۔ قلعہ جی، معجم لغۃ الفقہاء، ص450-451۔

[64]۔الماوردی، م۔ن، ص194۔

[65]۔الماوردی، م۔ن، ص195۔

[66]۔ایک برید 236 22176 میٹر فاصلہ۔

[67]۔الماوردی، م۔ن، ص194۔

[68]۔ قیراط ڈھائی سینٹی میٹر یا ہر چیز کا چوبیسواں حصہ یا جَو کے پانچ دانوں کے برابر وزن۔

[69]۔ السید البکری، اعانۃ الطالبین، دارالفکر، بیروت، ص150 /2؛ البہوتی، کشاف القناع، ص229 /2؛ القنوجی، صدیق بن حسن، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ص119 /2۔

[70]۔ قلعہ جی، معجم لغۃ الفقہاء، ص450۔

[71]۔ قلعہ جی، م۔ن، ص212۔

[72]۔ الماوردی، الاحکام السلطانیۃ، ص195 ومابعد۔

[73]۔ قلعہ جی، م۔ن، ص450۔

[74]۔ الماوردی، م۔ن، ص198۔